سوال

ں کی شر(268)ئت

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ب میں کچھ تجارتی کمپنیاں بیمہ کا متبادل تکافل کے نام سے متعارف کرا رہی ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا نظام شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے، اس سلسلہ میں علما کبار کے فتاویٰ کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحۃ السؤال

م السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

نی کفالت کرنا اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنا ہے۔ قرآن و حدیث میں اگرچہ یہ لفظ استعمال نہیں ہوا تاہم اسلام نے ہمیں ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنے، خیر خواہی اور تعاون کرنے کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ زکوۃ، عشر، صدقہ فطر اور دیگر خیرات اسی امر کو یقینی بنانے کے لیے ہیں۔ اگر ہم د

افل میں مدت پوری ہونے کے بعد اور کسی قسم کا نقصان نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنا مال واپس لے سکتا ہے، ایسے حالات میں اسے تعاون کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ہمارے رجحان کے مطابق تکافل میں غرر، سود اور جوا تینوں چیزیں موجود ہیں جن کی بنا پر اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل

اس طرح ہے کہ جس نقصان کے ازالہ کے لیے پالیسی ہولڈر نے پالیسی خریدی ہے وہ پیش ہی نہ آئے، اس طرح اس کی ادا کردہ رقم ضائع ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی حادثہ پیش آ جائے پھر نقصان کی صورت میں اس کی تلافی کے لیے کمپنی کے ذمے اس کی ادائیگی لازم ہو جائے۔

افل میں شریک قسطیں ادا کرتا ہے، اگر اس کا نقصان ہو گیا تو تکافل کمپنی کی طرف سے اس کا طے شدہ معاوضہ دیا جاتا ہے جو ادا کردہ قسطوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، سود بھی اسی کا نام ہے کہ تبادلہ کی صورت میں ایک طرف سے زیادہ ادا کرنا، اسے ہم زیادتی کا سود کہتے ہیں۔

رقم جمع کرانے میں تمام افراد شریک ہیں لیکن ایک کو حادثہ پیش آتا ہے تو تکافل کمپنی کی طرف سے اس کی تلافی کر دی جاتی ہے اور جس کو حادثہ پیش نہیں آتا اسے صرف اصل رقم ہی واپس ملتی ہے، یہ ایک طرح کا نقصان ہے اور جوا اسی کا نام ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جن خرابیوں کی بنا پر بیمہ حرام

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تکافل ایک غیر شرعی تجارتی معاہدہ ہے جسے تعاون کا لبادہ پہنا کر عوام کو پھانسنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس میں موجود غیر شرعی اور حرام معاملات کو جائز کہا جاتا ہے، ایسا کرنا حرام کو حلال کہنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق

---

[1] صحیح بخاری، الھدیہ: ۲۵۸۹۔

[2] فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ نمبر ۱۹۴۰۶۔

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ اصحاب الحدیث

جلد:4، صفحہ نمبر:249

محدث فتویٰ